Fikr-o-Nasar (Islamabad) 28-29:4,1-2 (1991)

اندلس میں عربی نثر نگاری

حبیب الرحمن عاصم

جزیرہ نمائے آئبیریا (Iberia) جسے فینیقیوں نے شاطیء الارانب (خرگوشوں کا ساحل) اور مسلمانوں نے ,,اندلس،، کا نام دیا سمندر، دریاؤں اور کوھستانی سلسلوں والی اس سرزمین سے عبارت ہے جس پر بسک ، سلت ، جلالقہ، فندل ، قوط ، فینیقی، رومانی، عرب اور بربر قومیں بستی رھیں ـ ان میں سے بعض کا وجود ختم ھو گیا اور بعض ابھی تک اپنی آخری سانسیں لے رھی ھیں ـ مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ھی عربی زبان نے بھی اپنے قدم جمانے شروع کر دیئے اور رفتہ رفتہ اسے وہ مرکزی حیثیت حاصل ھو گئی کہ کلیساؤں میں عبادت بھی عربی زبان میں کی جانے لگی ـ

اندلس میں عربی ادبی نثر کو ارتقاء کے انھیں مراحل سے گزرنا پڑا جو مراحل اسے مشرق میں پیش آئے تھے ـ پہلے مرحلے میں مسجع و مقفیٰ اقوال ، حکم ، رسائل اور خطبات نے رواج پایا ـ پھر عبدالحمید کا سا اسلوب نثر معروف ھوا جس نے ایجاز و اختصار کے بجائے بسط و تفصیل کا طریقہ اپنایا ـ پھر ابن المقفع کی طرح کا انداز نگارش عام ھوا جس میں ھم معنی جملوں کی تکرار اور معانی میں بے تکلفی اور وضاحت پائی جاتی ہے ـ پھر جاحظ کا طرز تحریر معروف ھوا جس نے تفصیل کے ساتھ ساتھ ادبی موضوعات کو تنوع عطا کیا اس طرح مغرب کا عربی ادب مشرق کے عربی ادب سے مسلسل مربوط رھا ـ یہ رابطہ تاجروں ، شاعروں، ادیبوں، عالموں اور

سیاست دانوں کے آنے جانے کی صورت میں رہا ـ مشرق میں جو ادب تخلیق ہوتا مغرب میں فوراً اس کا چرچا ہو جاتا ـ پھر امراء و ملوک اپنی درباری عظمت و برتری برقرار رکھنے کیلئے اور علماء اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے بڑی بھاری رقوم دے کر اسے خرید لیتے ـ پھر اہل اندلس اس کی نقل میں اپنا ادب تخلیق کرتے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایسا ادب بھی وجود میں آیا جسے مشرق میں پذیرائی ملی اس طرح اخذ و عطا کا سلسلہ جاری رہا ـ

مسلمانوں نے جب اندلس میں قدم رکھا اس وقت انہیں تبلیغ کے لئے اپنی افواج میں جذبہ جہاد بیدار رکھنے کی غرض سے نیز مختلف علاقوں میں امراء سے رابطے کے لئے جس چیز کی ضرورت تھی وہ شعر نہیں نثر تھی ـ اس طرح نثر کی ابتدائی شکل رسائل، خطبات اور مکالمات کی شکل میں ہمیں ملتی ہے ـ

عبدالعزیز بن موسی بن نصیر کے زمانے میں ,,قوط،، کے حاکم تودمیر کو خط لکھا گیا ,,بسم الله الرحمن الرحیم ـ من عبدالعزیز إلی تودمیر ، انه نزل علی الصلح وانه له عهد الله وذمته ألا ینزع عن ملکه ولا احد من النصارىٰ عن أملاکه ، وانهم لا یُقتلون ولا یسلبون اولادهم ونساءهم ، ولا یکرهون علی دینهم ولا تحترق کنائسهم،، (۱) ـ

اس طرح یوسف الفهری نے عبدالرحمن بن معاویة کو خالد بن یزید کے ذریعے خط لکھوایا ـ

,,امّا بعد فقد انتهی الینا نزولک بساحل المنکب وتأبّشُ من تأبش الیک ، ونزع نحوک من إلسراق واهل الختر والغدر ونقض الأیمان المؤکدة التی کذبوا الله فیها وکذبونا وبه جَلّ وعلا نستعین علیهم،، (۲)ـ

عبد الرحمن الداخل کے دور سے لے کر الحکم کے دور تک فتوحات کے ساتھ ساتھ فنون لطیفه کی طرف بھی توجه دی گئی اور اس

ضمن میں مساجد، جامعات اور مدارس کی بنیاد رکھی گئی ، علماء و ادباء نے اپنا کام شروع کر دیا جن میں ابـو موسـیٰ الهـواری ، عبدالملک بن حبیب ، یحیی بن یحیی اللیثی اور زیاد بن عبدالرحمن معروف ھیں (۳) ۔ اس دور میں بھی نثر پر دینی رنگ غالب رھا اور اسلوب تحریر و تقریر میں سجع و قافیہ اور پر تکلف غریب الفاظ کا استعمال جاری رھا ۔ البتہ عبدالرحمن الاوسط کے دور حکومت سے لے کر المنذر اور عبداللہ کے دور تک عرب ثقافت نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ۔ عبدالرحمن الاوسط اور اسکا پوتا عبداللہ دونوں علوم و فنون سے گہرا شغف رکھتے تھے انھوں نے مشرق کی طرف بہت سے لوگوں کو روانہ کیا جو وھاں علم و آگہی کی دولت سے مالا مال ھو کر آئے (۴) ۔ عباس بن ناصح نے عربی ادب کا بہت بڑا ذخیرہ اندلس میں جمع کر دیا (۵) ۔ عبداللہ کے بارے میں ابن حیان کا کہنا ہے :

,,کان متصرفاً فی فنون ، متحققا منها ، عالماً بلسان العرب بصیراً بلغاتها وایامها حافظاً للغریب والأخبار ،،(٦) ۔

اس دور کی نثر نے مشرقی کاتب عبدالحمید بن یحییٰ کا اسلوب اپنایا جس نے ایجاز واختصار کے ساتھ ساتھ اطناب و تفصیل کو بھی جگہ دی اس کے علاوہ جاحظ کا طرز تحریر بھی اپنایا جانے لگا جو چھوٹے چھوٹے خوبصورت جملوں کا مرقع ہے ۔ وہ ایک مفہوم کو مختلف جملوں کا لباس پہناتا ہے جو بظاھر تکرار کا احساس دلاتے ھیں لیکن درحقیقت یہ اپنے مقصود کو قاری کے ذھن میں راسخ کرنے کا ایک اچھوتا انداز ہے ۔

اس دور کے رسائل میں وہ خط نمایاں حیثیت رکھتا ہے جو امیر محمد بن عبدالرحمن الاوسط نے عبدالملک بن امیہ کے نام لکھا ۔ اس خط میں حروف جر کا خوبصورت استعمال ہے ۔ اور مختصر

جملے ہیں جو تکرار مفہوم کے باوجود قاری کیلئے اکتاہٹ کا باعث نہیں بنتے ۔

,,قد فهمنا عتک ، ولم تأت ما أتينا عن جهل بک لکن اصطناعاً لک ، وعائدة عليک ، وقد ابحنالک الاستعانة باهل اليقظة من الکتاب۔ فتخيّر منهم من تثق به وتعتمد عليه ـ ونحن نعينک على امرک بتفقد کتبنا والاصلاح عليک الى أن ترکب الطريقة وتبصر الخدمة ان شاء الله ،، (٧) ۔

عبدالرحمن الثالث کا ابتدائی دور باہمی مخاصمتوں اور بیرونی طور پر مسیحیوں اور فاطمیوں کے ساتھ جنگوں کا دور تھا لیکن عبدالرحمن نے خوش اسلوبی کے ساتھ اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو زیر کر لیا ۔ سیاسی اکھاڑ پچھاڑ علمی و ادبی سرگرمیوں پر اثر انداز ہوتی ہے لیکن جلد ہی امن و آتشی اور خوشحالی بحال ہو گئی۔ اسی دور میں حکم بن عبدالرحمن نے مسند اقتدار سنبھالی اس نے جس طرح علماء اور ادباء کی سرپرستی کی کوئی بھی نہ کر سکا ۔ کتابوں کا وہ عاشق تھا ، اس کے اپنے کتب خانے میں چار لاکھ کتابیں تھیں ۔ ابو الفرج الاصفہانی کو ایک ہزار دینار بھجوائے تاکہ وہ ,,الأغانی،، ارسال کر سکے (٨) ۔ الحکم خود بھی علماء کو مختلف موضوعات تجویز کیا کرتا تھا کہ وہ ان پر لکھیں ان کے لئے اپنے محل میں نشستیں مخصوص کر دی تھیں ۔ جہاں بیٹھ کر وہ تحریر و تالیف کا کام کرتے تھے ۔

اس دور کے مشہور نثر نگاروں میں ابن المنذر ، ابن جہور ، ابن بسیل ، ابن فطیس، ابن ابی عامر اور المصحفی شامل ہیں ، خواتین میں مزنہ اور لبنی مشہور ہوئیں ۔ مزنہ خلیفہ ناصر کی کاتبہ تھی اور لبنی خلیفہ مستنصر کی ۔ ہشام الثانی کے دور میں حکم بن محمد بن

ابی عامر نے جسے المنصور کا لقب دیا گیا ، امراء،علماء اور عوام پر بہت ظلم کیا وہ خود بھی دین سے برگشتہ تھا اس لئے شراب و شباب کی محفلیں عام ہو گئیں اور علم و ادب کا بازار سونا ہو گیا ۔ علوم فلسفہ پر تو اس نے کاری ضرب لگائی ۔ الحکم المستنصر کے کتب خانے میں موجود فلسفہ کی تمام کتابوں کو نذر آتش کروا دیا ۔ لغوی بحثوں میں اگرچہ کچھ جان رہی لیکن وہ بھی صاعد البغدادی کے اندلس آنے کی وجہ سے ہوئی ، مجموعی طور پر یہ دور ادب کے جمود کا دور تھا البتہ ایک ایسے اسلوب نثر نے دواوین و مکاتب میں رواج پانا شروع کر دیا جو نثر قدیم سے مشابہت رکھتا تھا ۔ اس میں سجع کا خاص خیال رکھا جاتا اور تحریر میں ,,جناس،، ,,مقابلہ،، اور ازدواج،، جیسے صنائع و بدائع کا اہتمام کیا جاتا اس کے علاوہ اس میں اشعار کا استعمال بھی عام ہونے لگا ۔ اس کی مثال ہمیں ابن دراج القسطلی کے اس خط سے ملتی ہے جو اس نے سلیمان بن الحکم کو لکھا (۹) ۔

,,ما شاقه أن استشف الحسی قبل جمومه ، واستکره الدّر قبل حفوله . أو اتعامی عن سراج المعذرة وارغب عن ادب الله فی نظرة الی میسرة ولکن .

ماذا تقول لافراخ بذی مرخ
حمر الحواصل لاماء ولا شجر
ما اوضح العذر لی لو انهم عذروا
واجمل الصبر بی لو انهم صبروا
لکنهم صغروا عن ازمة کبرت
فما اعتذاری عمن عذره الصغر

فـن خطابت :

اندلسی فن خطابت میں بھـی مشرقـی فن خطابـت کا عکس دکھائی دیتا ہے ابتدائی دور کا سب سے معروف خطبہ جو طارق بن زیاد کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مثالی حیثیت رکھتا ہے ۔ کشتیاں جلانے کے بعد طارق بن زیاد نے اپنی افواج کو مخاطب کیا :

,,أيّها الناس ـ أين المفر ؟ البحر وراءكم والعدو امامكم وليس لكم واللہ الا الصدق والصبر ، واعلموا انكم فی هذه الجزيرة اضيع من الأيتام فی مأدبـة اللئام ، ولا اقوات لكم الا ما تستخلصون من ايدى عدوكم ...... (۱۰) ـ

اس نص کے بارے میں بعض شکوک کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اندلس ۹۲ ھـ میں فتح ہوا اور طارق جو کہ بربر تھا کچھ عرصہ قبل ھی موسی بن نصیر کا خادم بنا اس لئے وہ اس محدود عرصے میں اتنا بلیغ خطبہ نہیں دے سکتا ـ دوسرا یہ کہ اس کا ذکر صرف ,,المقری،، کی کتاب ,,نفح الطيب،، میں ملتا ہے اور اس نے بھی بغیر کسـی مصـدر کـے اس کا ذکر کیا ہے۔

تیسرا یہ کہ اس نے اپنے لشکر کو عرب لشکر کہہ کر خطاب کیا جبکہ اس کا لشکر بربروں پر مشتمل تھا وہ کہتا ہے ,,وقد اختاركم امير المومنين من الابطال عربانا ،، ان باتوں سے یوں لگتا ہے جیسے یہ خطبہ فتح اندلس کے بہت بعد منسوب کیا گیا ـ

عبدالرحمن الداخل بھی اپنے بلیغ خطبات کی وجـہ سے بہت مشہور ھوا ایک بار اپنے لشکریوں کو یوسف الفهری کے خلاف جنگ پر ابھارنے کے لئے خطاب کیا۔

,,هذا اليوم هو أس ماينبنی عليه ـ اما ذل الدهر واما عز الدهر . فـاصبـروا سـاعـةً فيمـا لا تشتهـون تَـر بحـوابهـا بقيـة اعمـاركـم فيمـا تشتهـون ،، (۱۱) ـ

الحکم الربضی اور اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالرحمن الاوسط بھی اس فن میں کسی سے پیچھے نہیں تھے ۔ عبدالرحمن الاوسط کا وہ خطبہ جو اس نے اپنے والد الحکم الربضی کی وفات پر دیا ، عبدالحمید کے اسلوب بیان کا واضح ثبوت ہے جس میں سجع کا عنصر بھی ہے اور اطناب و تفصیل بھی ۔

,,الحمد لله الذی جعل الموت حتماً من قضائه ، وعزما من امره ، *واجری الامور علی مشیئته فاستأثر بالملکوت والبقاء . واذل خلقه فما* (لهم نجاة من) الفناء ۔ تبارک اسمه وتعالی جده وصلی الله علی نبیه ورسوله وسلم تسلیما،، (۱۲) ۔

اسی طرح فقیه منذر بن سعید البلوطی کا وہ خطبہ جو اس نے قسطنطنیۃ کی سفارت کے اعزاز میں دیے جانے والے استقبالیہ میں دیا تھا ۔ النثر الخالص یا اسلوب جاحظ کی مثال ہے ۔ اس استقبالیہ میں پہلے ابوعلی القالی نے تقریر کی تو منذر بن سعید البلوطی کھڑا ہوا اور ان الفاظ میں خطاب کیا :

,,امّا بعد حمدالله والثناء علیه والتعداد لآ لائه والشکر لنعمائه . والصلاة علی محمد صفیه وخاتم انبیائه ، فان لکل حادث مقاماً ولکل مقام مقالاً ۔ ولیس بعد الحق الا الضلال وانی قمت فی مقام کریم ، بین یدی ملک عظیم فاصغوا إلی معشر الملأ باسماعکم ۔ وأتقنوا عنی بأفئدتکم ۔إن من الحق أن یقال للمحق صدقت، وللمبطل کذبت ...الخ ۔

مکالماتی ادب :

مختلف اصناف نثر میں مکالماتی ادب بھی ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے ۔ اس کے اسالیب میں وہی تدریج اور تنوع پایا جاتا ہے جو باقی اصناف میں پایا جاتا ہے ۔ امیر عبدالله اور اس کے ایک غلام کے درمیان ہونے والا مکالمہ مختصر اور خوبصورت جملوں کا مرقع ہے ۔

امیر عبداللہ کہتا ہے :۔

,,أن مخائل الامور لتدل علی خلاف قولک وتنبیء عن باطل تنصلک ۔ ولوا قررت بذنبک ، واستغفرت لجرمک لکان اجمل بک واسدل لستر العفو علیک " ۔

غلام اس کے جواب میں کہتا ہے :۔

,,و قد اشتمل الذنب علیّ ، وحاق الخطأ بیّ ، وانّما أنا بشر ، وما یقوم لی عذر " ۔

امیر جواب میں کہتا ہے :

,,مهلاً علیک ، ریداً بک ، تقدمت لک خدمة وتاخرت لک توبة ۔ وما للذنب بینهما مدخل ، وقد وسعک الغفران" (۱۳) ۔

اسی طرح منذر الفقیه اور الناصر کے درمیان یه دلچسپ مکالمه هوا ۔ الناصر نے سونے کا ایک قبّه بنوایا ، جس کے بارے میں اس کے مصاحبین تعریفوں کے پل باندھ رهے تھے که منذر الفقیه بھی وهیں آ گئے تو الناصر نے پوچھا آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے ۔ منذر جواب دیتے هیں :۔

,,یا امیر المومنین ما ظننت أنّ الشیطان ۔ لعنه الله یبلغک هذا المبلغ ولا أن تمکنه من نفسک هذا التمکین مع ما اتاک الله من فضله ونعمته وفضّلک به علی العالمین حتی ینزلک منازل الکافرین" ۔

الناصر اس بات پر مشتعل هو گیا اور کہا ,,انظر ماذا تقول ، وکیف انزلتنی منزلتهم"

منذر نے کہا :

,,نعم ألیس تعالی یقول : ,,ولولا أن یکون الناس امة واحدة فجعلنا لمن یکفر بالرحمن لبیوتهم سقفاً من فضة ومعارج علیها یظهرون" ۔

الناصر کا چہرہ پریشان ہو گیا اور سر جھکا کے کہا :

,,جازاک اللہ یا قاضی عنا وعن نفسک خیراً وعن الدین والمسلمین اجل الجزاء ۔ فالذی قلت ھوالحق ،،(۱۳) ۔

النثر التألیفی :

اس نثر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک حصہ وہ جس میں تاریخ ادب پر کتابیں لکھی گئی جن میں شعراء اور ادیبوں کے حالات زندگی ، ان کی ادبی کاوشوں کی تاریخ اور فن پاروں میں سے اقتباسات شامل تھے ۔ ان مؤلفات میں اکثر امتداد زمانہ اور جنگ وجدال کی نذر ہو گئیں ۔ اس موضوع پر جو کام ہوا ان میں عثمان بن ابی ربیعہ کی کتاب ,,طبقات الشعراء بالاندلس،، ، محمد بن ھشام المروانی کی کتاب ,,اخبار الشعراء بالاندلس،، عبداللہ بن مغیث کی تالیف ,,شعر الخلفاء من بنی امیة اور ابو عمر احمد بن فرج الجیانی کی کتاب ,,الحدائق جو اس نے الحکم المستنصر کے لئے لکھی تھی شامل ھیں ۔ تاریخ ادب سے متعلق یہ کتابیں بھی مشرق سے متاثر ہو کر لکھی گئیں (۱۵) ۔

النثر التالفی کے دوسرے حصے میں عربی ادب ۔ جس میں نثر و نظم ۔ نقد ونظر اور تاریخ ادب کے ساتھ ساتھ عربی ثقافت کا ذکر بھی ملتا ہے ۔

مشرق میں اس سلسلے کی نمائندہ کتابیں جاحظ کی ,,البیان والتبیین،، المبرد کی ,,کتاب الکامل ،، ابو الفرج الاصفہانی کی ,,الآغانی،، ھیں ۔ اندلس میں احمد بن عبد ربہ کی ,,العقد الفرید،، اس کی نمائندگی کرتی ہے ۔ یہ کتاب عربی ثقافت کی بہترین عکاس ہے جس میں تاریخ ، سیرت ادباء شعری و نثری منتخبات ، بلاغت و

فصاحت کی بحثیں ، عروض و موسیقی کے قوانین اور اخلاق و عادات سے متعلق خوبصورت باتیں ہیں ـ ابن عبد ربہ نے اپنی اس شہرہ آفاق کتاب کو پچیس ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب کو مالا کے کسی خوبصورت موتی سے موسوم کیا ہے . مثلاً ـ کتاب اللؤلؤة فی السلطان ـ الزبرجدة فی الاجواد والاصفاد" ـ پھر "الجمانة فی الوفود " "المرجانة فی مخاطبة الملوک" "الیاقوتة فی العلم والادب " اسی طرح باقی ابواب کسی نہ کسی موتی سے موسوم ہیں ـ

کتاب کی ترتیب اور موضوعات کے تنوع سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں معلومات کا کتنا بڑا خزانہ موجود ہے ـ اس کی بہت سی معلومات مشرق اور مشرقی ادب سے متعلق ہیں اس لئے صاحب بن عباد کو جب یہ کتاب دی گئی تو اس نے کہا "ھذہ بضاعتنا ردّت الینا" یہ ہماری ہی متاع ہے اور ہماری طرف لوٹا دی گئی ہے ـ اس کتاب نے اندلس کے رہنے والوں کو اہل مشرق سے متعلق بیش قیمت معلومات فراہم کیں ـ اس کا اسلوب تکلف سے پاک بلکہ وضاحت اور سلاست سے زیادہ قریب ہے کہیں کہیں سجع ما استعمال بھی کیا گیا ہے ـ مثلاً اس کا یہ اقتباس دیکھیئے :

"فلینظر الناظر الی الاوضاع المحکمة ، والکتب المترجمة بعین الانصاف، ثم یجعل عقله حکما عادلاً ، وفیصلاً قاطعاً فعند ذلک یعلم انها شجرة باسقة الفرع طیبة المنبت . ذکیة التربة ، یا نعة الثمرة فمن أخذ بنصیبه منها کان علی ارث من البنوة " ـ

اس کتاب کی تالیف میں ابن عبد ربہ نے جن معروف مصادر سے استفادہ کیا ان میں ابن قتیبہ کی عیون الاخبار ـ جاحظ کی البیان والتبیین والبخلاء ، ابن ہشام کی السیرة النبویة اور ابن المقفع کی کلیلة و دمنة شامل ہیں ـ

۳۴۵ ھ ابوعلی القالی اندلس میں آیا اور لغوی ولسانی تحقیق کے مرکز کی بنیاد رکھی ۔ ابوعلی نے اپنی کتاب ,,الأمالی" اپنے شاگردوں کو املا کروائی ۔ اس کے علاوہ ابوبکر الزبیدی نے ,,مختصر کتاب العین" تالیف کی پھر دوسری تصنیفات بھی میدان میں آئیں جن میں طبقات النحویین ۔ کتاب لحن العامۃ ۔ الواضح فی العربیۃ اور الابنیۃ النحویۃ قابل ذکر ھیں ۔

اسی دور میں ابن قوطیہ جیسا ماھر لسانیات اور مؤرخ پیدا ھوا اس نے متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں ,,تصاریف الافعال" ,,کتاب المقصود والممدود" مشہور ھیں ۔ اس کے علاوہ تاریخ ، فلسفہ ، تفسیر طب اور دوسرے میدانوں میں قلمکار اور محققین ظاھر ھوئے ۔

اندلسی ادب کا آخری دور فتنے اور طوائف الملوکی کا دور ہے مسیحیوں ، بربروں اور عربوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں وجود میں آ گئیں ۔ اکھاڑ پچھاڑ کے اس دور میں دو ایسے عالم ظاھر ھوئے جو آسمان علم و ادب پر چاند و سورج کی طرح چمکے ۔ وہ ابن حزم اور ابن حیان تھے یہ دونوں نابغہ روزگار تھے انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے عربی ادب کو نئی جہتیں عطا کیں ۔

اس دور میں النثر الخالص اور النثر التالیفی دونوں ھی نے بڑی واضح پیش رفت کرتے ھوئے نئے موضوعات اور نئے اسالیب کی بنیاد رکھی ۔ النثر الخالص اب صرف خطبات ، رسائل اور وصایا و مکالمات تک محدود نہ رھی بلکہ اسنے کہانی کا روپ دھار لیا ، وہ کہانی جس کا ھیرو ایک خیالی دنیا سے تعلق رکھتا ہے اور مختلف قسم کے روپ دھارتا ہے جو کہ درحقیقت ھماری دنیا میں پائے جانے والے احوال و واقعات کی نشاندھی کرتے ھیں ، اس میدان میں جو قابل فخر چیز ادب اندلس نے پیش کی وہ ابو عامر ابن شھید کی وہ

کہانی ہے جسے اس نے ,,رسالة التوابع والذوابع" کا نام دیا ۔

یہ رسالة کسی ایک جگہ مکمل حالت میں نہیں ملتا بلکہ اس کا بیشتر حصہ ذخیرہ ابن بسام کی پہلی جلد کی القسم الأول میں صفحہ نمبر ۲۱۰ کے بعد ملتا ہے۔ اور اسی حصے کو بطرس البستانی نے ایک مستقل کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے جس میں ابن شہید کے بارے میں بھی تفصیلات موجود ھیں ۔ یہ ایک خیالی قصہ ہے جس میں ابن شہید جنات کی دنیا میں پہنچتا ہے اور وھاں شعراء و ادباء شیاطین سے مباحثے ہوتے ھیں ۔ نقد وشعرکی محفلیں جمتیں ھیں ، ان محفلوں میں وہ ادب و شعر کے بارے میں اپنی آراء پیش کرتا ہے، اپنے مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیتا ہے اور اس طرح اپنے فن کا دفاع کرتے ہوئے یہ ثابت کرتا ہے کہ وھی میدان ادب کا شاہ سوار ہے اس نے اس کہانی کا نام التوابع والذوابع اس لئے رکھا کہ توابع ۔ تابع کی جمع ہے جس کا مطلب ہے جن یا پری جو انسان کا ہر وقت اور ہر جگہ پیچھا کرتی ہے ۔ اور زوابع ۔ زوبعة کی جمع ہے جس کا مفہوم جنوں کا سردار ہے یہ کہانی خطوط کے ایک سلسلے کی شکل کی ہے جو ایک ایسے فرضی شخص کے نام لکھے گئے ۔ جس کی کنیت ابوبکر ہے ۔ پہلے خط میں وہ اپنا تعارف کرواتا ہے کہ اس نے کہاں آنکھ کھولی ، کہاں پرورش پائی اور تعلیم حاصل کی اور کس طرح وہ اپنے محبوب کی وفات پر شعر کہنا چاھتا تھا لیکن چند اشعار کے بعد وہ اپنے جذبات کے اظہار سے عاجز آ گیا اسی دوران میں اس کی ملاقات ایک پری سے ھو گئی جس نے اسے شعر کہنے میں اس کی مدد کی اور پھر غائب ھو گئی ۔ اس کے بعد جب بھی کبھی اسے اس پری کی ضرورت پڑتی وہ انھیں اشعار کو پڑھتا اور وہ ظاہر ھو جاتی۔

اور پھر ایک بار ابن شہید اس سے پوچھتا ہے کہ کیا وہ اس کی ملاقات عالم ارواح میں قدیم شعراء و ادباء سے کروا سکتی ہے ، وہ

اس پر تیار ہو جاتی ہے اور ابن شہید کو اپنے گھوڑے پر سوار کروا کے جنات کی دنیا میں لے جاتی ہے جہاں قدیم شعراء کی روحیں موجود ہوتی ہیں ان میں امروالقیس ، طرفۃ ، قیس بن الخطیم ، ابوتمام ، بحتری ، ابونواس اور ابوالطیب وغیرہ سے ملاقات ہوتی ہے ان کے علاوہ جاحظ اور عبدالحمید الکاتب سے مذاکرات ہوتے ہیں جن کے سامنے وہ اپنے فن پارے پیش کرتا ہے اور داد تحسین وصول کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ عالم حیوانات اور پھر عالم طیور کی سیر کرتا ہے اور ان کی زبان میں عشق و محبت کی داستانیں سنتا ہے اور بعض لغوی بحثیں بھی ہوتی ہیں ۔

رسالۃ الغفران اور ابوالعلاء کے رسالۃ التوابع والذوابع میں مشابہت :

دونوں فن پارے اپنے اسلوب ، کردار اور انداز کے اعتبار سے باہم بہت مشابہ ہیں ۔ دونوں ہی ایک دوسرے عالم کو اپنے قصے کا میدان بناتے ہیں ۔ جو انسانی دنیا سے مختلف ہے ، دونوں مؤلفین نے قدماء سے ملاقات کی صورت میں علمی و ادبی بحثیں کیں ہیں ، اور دونوں ہی نے اپنے ہم عصروں کی تنقید کا جواب بھی دیا ہے اور ان پر تنقید بھی کی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ابوالعلاء نے آخرت کے بعد جنت و دوزخ کو اپنا میدان بنایا ہے اور ابن شہید نے عالم جنات کو اپنے لیئے منتخب کیا ہے۔ ایک اور فرق یہ ہے کہ ابوالعلاء نے فلسفیانہ مسائل اور اور دینی موضوعات پر بحث کی ہے جبکہ ابن شہید نے زیادہ تر ادبی امور کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اس مشابہت سے یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ ان دونوں قلمکاروں میں سے کون کس سے متاثر ہوا ۔ ڈاکٹر احمد ضیف کے خیال میں ابن شہید ۔ ابوالعلاء سے متأثر ہوا ہے ان کا کہنا ہے ۔

,,چونکہ دونوں ہم عصر تھے اور دونوں میں ابوالعلاء ایسا شخص ہے جس کی شہرت مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی تھی ۔ ابن شہید کی شہرت مشرق میں اتنی نہ تھی اس لئے ابن شہید ابوالعلاء سے متأثر ہوا ،،(۱٦) ۔ لیکن علمی تحقیق نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ دراصل ابوالعلاء ابن شہید سے متأثر ہوا یا کم از کم ابن شہید ابوالعلاء سے متأثر نہیں ہوا کیونکہ ,,رسالة التوابع والذوابع ،، ۔ ,,رسالة الغفران،، سے تقریباً نو سال قبل تالیف ہوا اور ابن شہید کا یہ فن پارہ مشرق میں اس وقت پہنچ چکا تھا جب ابوالعلاء ابھی زندہ تھا ۔ اصحاب تنقید کا خیال ہے کہ ابن شہید نے یہ رسالة واقعہ معراج سے متأثر ہو کر لکھا اور وہیں سے یہ خیال اختیار کیا ہے ۔ اور ابوالعلاء نے بھی یہیں سے یہ خیال اخذ کیا ہے ۔

التوابع والذوابع کا اسلوب :

یہ النثر الخالص کا نمونہ ہے جس میں جاحظ کا طریقہ تحریر بھی ہے اور ابن العمید کا اسلوب بیان بھی ۔ کہیں کہیں بدیع الزمان کا اسلوب نگارش بھی نظر آتا ہے ۔ یہ سب اسالیب النثر الخالص کی ہی عکاسی کرتے ہیں جن میں ایجاز نہیں تفصیل واطناب ہے ، تکلف نہیں ہے لیکن سجع ہے ۔ شاعری نہیں ہے لیکن شعروں کا استعمال ہے ۔

ابن شہید کی ادبی تنقید :

اسی دور میں ابن شہید کی ادبی تنقید کے بعض نمونے بھی ملتے ہیں جو اگرچہ الگ کتابی شکل میں تو موجود نہیں لیکن مختصر مقالات کی صورت میں ادب اور اس جذبہ و مشاہدہ پر جو تخلیق ادب کا باعث بنتا ہے بحث ملتی ہے ۔ ابن شہید اس جذبے کو ,,طبیعہ،، (فطرت) کا نام دیتا ہے ۔ یہ وہ احساس اور شعور ہے جو خوبصورت

کلمات یا جملوں کو یاد کر لینے یا جملوں کے درمیان لغوی ربط و ضبط پیدا کر دینے سے نہیں آتا بلکہ اس کا تعلق انسان کے باطن سے ہے جسے روح یا شعور کہا جا سکتا ہے۔ انسان ۔ جسم اور نفس سے مرکب ہے۔ نفس (روح ۔ شعور) اگر جسم پر غالب آ جائے تو طبیعت میں لطافت پیدا ہوتی ہے جو تخلیق ادب کا سبب بنتی ہے اور مشاہدہ اسے تقویت پہنچاتا ہے ۔

اس نے مختلف زمانوں میں اندلسی ادیبوں کے رجحانات اور ان کے اسلوب کا ذکر بھی کیا ہے ، اور لغوی میدان میں لفظ اور معنی کے باھمی تعلق نیز مختلف مواقع پر کلمات اور جملوں کے انتخاب کے بارے میں بھی بحث کی ۔ ان خوبصورت بحثوں میں وہ بحث بھی ہے جو اس نے ,,انسانی اعضاء پر ادب کا اثر ،، کے بارے میں کی ہے اس کے علاوہ اس میں ادیب کی شخصیت اسکا رھن سھن ، لباس اور کھانے پینے میں اس کے انتخاب کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ادیب اور شاعر کو پراگندہ حالت میں نہیں رهنا چاھیئے ، ذھن کی پاکیزگی اور احساس کی لطافت کا تعلق جسم کے ساتھ بھی ہے۔ وہ کہتا ہے۔

ادیب و کاتب کو اچھی خوشبو استعمال کرنی چاھیئے ، اس کے تمام حواس درست ھوں ، نہ دانت میلے ھوں اور نہ ناخن بڑھے ھوئے ھوں ۔

ابن شھید کا یہ اسلوب نثر النثر التألیفی کے زمرے میں آتا ہے جس میں مختلف موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ابن حزم بحیثیت ادیب :

النثر التالیفی کا ھی ایک نمونہ اندلس کے عظیم عالم فلسفی اور ادیب کا وہ فن پارہ ہے جو فلسفہ محبت میں دوسرے ادیبوں کے لئے

باعث تقلید بنا ـ بہت سے عرب اور غیر عرب ادباء نے اپنے ادب کے لئے اسے مرجع بنایا ـ یہ عظیم عالم و ادیب ابن حزم ہے ـ جس نے فلسفہ محبت پر ,,طوق الحمامۃ فی الالفۃ والألاف،، کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ـ

طوق الحمامۃ :

یہ وہ کتاب ہے جس پر اندلسی ادب کو فخر ہے ابن حزم نے اس کتاب میں اپنے مشاہدات اور افکار کا جس دلیری اور جرأت سے اظہار کیا ہے وہ قابل داد ہے ـ اس اظہار میں اس نے اس بات کی پروا نہیں کی اس پر کن کن کی طرف سے کیا کیا تنقید ہو گی ـ

یہ کتاب صحرانورد کے خطوط کی طرح کا ایک مجموعہ ہے جو اس نے ,,المریۃ،، شہر سے لکھے گئے ان خطوط کے جواب میں لکھے ـ جن میں اسے فلسفہ محبت پر کچھ لکھنے کو کہا گیا ـ

ابن حزم نے اپنی کتاب کو تیس ابواب میں یا خطوط میں تقسیم کیا اور ہر باب میں محبت کی کسی کیفیت کے بارے میں لکھا ، اور ہر خط میں فلسفہ محبت کیلئے اپنے مشاہدات اور مختلف واقعات سے مدد لی ، کسی میں محبت کی علامتوں کے بارے میں لکھا تو کسی میں محبت کی اقسام کے بارے میں ـ کون سی محبت سچی ہوتی ہے اور کس میں دھوکہ ہوتا ہے ـ پہلی نظر کی محبت کیسی ہوتی ہے اور محبت میں انسانی تعلق کیا کیا تقاضے کرتا ہے ـ خفیہ محبت کیا ہوتی ہے اور محبت کے اعلان سے کیا ہوتا ہے ، محبت میں دشمنی کیسی ہوتی اور وفا و جفا کا تصور کیا ہے ـ فراق میں کیا لذتیں ہیں اور وصال کی کیا لطافتیں ہیں ، محبت میں گناہ کیا ہے اور محبت میں اخلاص اور پاکیزگی کیسے ہوتی ہے (۱۹) ـ ان سارے مسائل پر خوب لکھا ہے ـ

اگرچہ طوق الحمامۃ مسائل محبت بیان کرتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں اس دور کے حالات کا تجزیہ بھی ملتا ہے جس میں محلات سے باہر شروفساد اور فتنہ گری تھی لیکن محلات کے اندر حسن و عشق اپنی فتنہ سامانیوں کے ساتھ سرگرم عمل تھا ۔ اس کے علاوہ اس میں انسانی طبیعتوں کے بارے میں بھی معلومات ملتی ہیں ۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ کتاب ابن حزم کی اپنی زندگی کی بھی عکاسی کرتی ہے۔ مزید یہ کہ وہ ابن حزم کا محض نثری فن پارہ نہیں ہے بلکہ اس کے اشعار کا بھی مجموعہ ہے ۔ جو اس نے حکایات اور فلسفہ محبت بیان کرتے وقت جگہ جگہ استعمال کیے ہیں۔

طوق الحمامۃ کی زبان آسان ہے اور اسلوب واضح ۔ جس میں تکلف کے بجائے بے ساختگی پائی جاتی ہے ۔ چونکہ ابن حزم ایک عالم دین بھی تھا اس لئے کئی مقامات پر قرآن و حدیث و فقہی مباحث سے بھی دلیل کے طور پر استفادہ کیا ہے ۔

بعض مستشرقین (جن میں استاد ماسینیون اور دوزی شامل ہیں) کا کہنا ہے کہ پاکیزہ محبت کا تصور ابن حزم نے مسیحیوں سے لیا ہے کیونکہ ان کے ہاں تجرد والی زندگی اور عفت والی محبت کا تصور واضح طور پر پایا جاتا ہے ۔ جبکہ یہ بات درست نہیں ہے ۔ اس محبت کا تصور دور جاهلیت میں المرقش الاکبر نے پیش کیا ، اسی طرح ,,الھوی العذری،، کا تصور صدر اسلام کے دور سے چلا آ رہا ہے۔

بعض مسلمان صوفیہ کے ہاں بھی اس قسم کی محبت کی مثالیں ملتی ہیں جن میں عبدالرحمن بن عمار بھی تھے ۔ جو کثرت عبادت کی وجہ سے زاھد کے نام سے پکارے جاتے تھے انہیں ایک مغنیہ ,,سلامہ،، سے محبت تھی لیکن وہ محض تصوراتی اور خیالی محبت رہی ایک بار اس نے دعوت اظہار محبت بھی دی لیکن عبدالرحمن

بن عمار نے جواب دیا ((الاخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدو، الا المتقین)) وأنا اکره أن تنقلب خلتنا عداوة یوم الحساب ۔

دوست قیامت کے روز ایک دوسرے کے دشمن ہونگے سوائے متقی افراد کے اور میں نہیں چاہتا کہ ہماری دوستی قیامت کے روز دشمنی میں بدل جائے ۔ اور یہی فرق ہے ایک عام آدمی کی محبت میں اور ایک فقیہ کی محبت میں کہ عام آدمی اپنی محبت کو جذباتی ہو کر معصیت میں بدل دیتا ہے جبکہ فقیہ اپنی نیکی اور معاشرے میں اپنی عزت کا خیال رکھتے ہوئے گناہ سے بچ جاتا ہے۔

کیا طوق لحمامة فلسفه محبت پر پہلی کتاب ہے ؟

۱۹۱۴ء میں جب ,,طوق الحمامة، لیڈن میں شائع ہوئی تو پورے یورپ میں ایک غلغلہ سا مچ گیا یورپی ادیبوں اور ناقدین نے کہا کہ فلسفه محبت پر یہ پہلی کتاب ہے اس سے قبل نہ عربی میں اور نہ کسی اور زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب لکھی گئی (۱۹) ، جبکہ بات ایسی نہیں ہے، ابن حزم سے پہلے اندلس ھی میں محمد بن داؤد الظاہری نے ,,الزهرة، کے نام ایک کتاب تالیف ک جو آج کل ناپید ہے البتہ اس کے بعض اقتباسات مختلف ادبی کتابوں میں ملتے ھیں ۔ اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ ابن حزم نے ,,الزهرة، کا مطالعه کیا ۔ اس کے علاوہ ,,اخوان الصفا، کے رسائل عشق ، ابوبکر السراج کی ,,مصارع العشاق ، اور الخرائطی کی ,,اعتلال القلوب ، یہ سب کتابیں ,,طوق الحمامة، سے قبل تالیف کی گئیں لیکن جو شہرت اور اصحاب عشق و محبت میں پذیرائی اس کتاب کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کو حاصل نہ ہو سکی ۔ اس شہرت کی ایک وجه شاید یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ابن حزم ایک بہت بڑا عالم فلسفی اور تاریخ دان تھا جس نے تقریباً چار سو تالیفات چھوڑیں ۔ اتنے بڑے شخص کی طرف سے

محبت کے موضوع پر کوئی کتاب لکھا جانا ایک ایسی بات تھی جس نے لوگوں کو اس کا مشتاق بنا دیا ، جب اسے پڑھا گیا تو لوگوں کا اشتیاق اور بڑھ گیا کیونکہ محبت ایک فطری جذبہ ہے جو ہر انسان میں پایا جاتا ہے اور جب کسی کو اس کے اپنے خیالات کا ترجمان مل جائے تو وہ اس کی طرف راغب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔

ابن طفیل بحثیت قصہ نگار :

گیارھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں غرناطہ کے قریب وادی آش میں ایک ادیب اور فلسفی پیدا ہوا جس کا نام ابوبکر تھا لیکن وہ ابن طفیل کے نام سے معروف ہوا اس نے فلسفہ ، طب ، عمرانیات اور روحانیات جیسے دقیق موضوعات کو ایک قصہ کی شکل میں اس طرح بیان کیا کہ وہ فن قصہ نگاری کی ایک بہترین مثال بن گیا ، جس کا ترجمہ لاطینی میں Edward Pococke نے شائع کیا ، پھر ناربون کے ایک یہودی (موسیٰ) نے عبرانی میں ترجمہ کیا ، پھر فرانسیسی اور اس کے علاوہ دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا ۔ ابن طفیل پہلا فلسفی ہے جس نے افسانے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا (۲۰) اور ایسے مشکل موضوعات میں وہ دلچسپی پیدا کر دی کہ عوام میں بھی مقبول ہو گیا ۔ قصہ کا مرکزی خیال قرآن مجید میں مذکور حضرت موسی علیہ السلام کے واقعہ سے لیا گیا جس میں حضرت موسی علیہ السلام کو آپ کی والدہ نے صندوق میں ڈال کر دریا کے سپرد کر دیا تھا ۔ ابن طفیل کے قصے کی ابتدا بھی اسی طرح ہوتی ہے کہ کوئی شہزادی ایک بچے کو سمندر میں ڈال دیتی ہے جو کسی طرح ایک سنسان جزیرے پر پہنچ جاتا ہے وہاں ایک ہرنی اس بچے کو اپنا دودھ پلاتی ہے اس طرح بچہ بڑا ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ انسان ہوتا ہے اس لئے سوچنا شروع کر دیتا ہے کہ وہ دوسرے جانوروں کے مقابلے

میں برھنه کیوں ہے اور اس کے پاس مصائب کا مقابله کرنے اور شکار کرنے کیلئے پنجے یا تیز دانت یا دوسری قوتیں کیوں نہیں ھیں اس فکر کے نتیجے میں وہ پتوں سے اور پھر کھال سے اپنا لباس تیار کرتا ہے، لکڑی اور پتھر سے ھتھیار بناتا ہے۔۔

ھرنی جب بوڑھی ھو کر بیمار ھوتی ہے تو وہ ھرنی کا سینه چیرتا ہے تاکه اس کے اندر سے بیماری نکال سکے اس طرح وہ اندرونی اجزائے جسمانی سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ اس طرح ,,حیّ بن یقظان" انسانی ترقی کے وہ تمام مراحل طے کرتا ہے جس میں وہ آگ کی دریافت بھی کرتا ہے، گھر بھی بناتا ہے اور بالآخر اس کی سوچ فلسفے کی شکل اختیار کر جاتی ہے وہ اعضائے جسمانی کی ترتیب کے بارے میں غور کرتا ہے اور اسے خفیف و ثقیل اجزاء میں تقسیم کرتا ہے۔ پھر نفس نباتی اور نفس حیوانی کی صورتیں ذھن میں آتی ھیں، پھر روح تک خیال کی رسائی ھوتی ہے۔ پھر وہ زمین اور آس پاس کی چیزوں کا مطالعه کرتا ہے اور اس نتیجے پر پہنچتا ہے یه سب کسی مادے کے اجزاء ھیں، اور مختلف اجسام میں مختلف مقداریں ھیں، پھر وہ اس نتیجے په پہنچتا ہے که زمین کی سبھی چیزیں فانی ھیں۔ تو پھر وہ آسمان کی طرف توجه کرتا ہے چاند ستاروں اور سورج کی گردش نظام الافلاک پر غور کرتا ہے اور پھر خالق افلاک تک رسائی کی کوشش کرتا ہے اور اس نتیجے پر پہنچتا ہے که خالق کے لئے ضروری ہے که وہ جسم نه ھو اور ابدی ھو اور اگر وہ ابدی ہے تو عالم کی قوت محرکه اس کے اندر نہیں آ سکتی۔ پھر اپنی ذات کے اندر خالق کی صفات کا پرتو دیکھتا ہے اور کہتا ہے که اس کا نفس غیرفانی ہے، اور اسے ابدی خوشی کیلئے ایک ھستی کے بارے میں غور و فکر کرنا چاھیئے جو مکمل واکمل ھو۔ کچھ عرصے بعد ایک

دوسرے جزیرے سے ایک مذھبی پیشوا ,, حی بن یقظان" سے ملتا ہے وہ اسے جب کتب سماویہ کی دعوت دیتا ہے تو ,,حی بن یقظان" کو احساس ھوتا ہے کہ وہ بھی اسی نتیجے تک پہنچا تھا جس کی طرف کتب سماویہ بلاتی ھیں ، پھر وہ مذھبی پیشوا جسے ,,آسال" کا نام دیا جاتا ہے اسے قریبی جزیرے میں بسنے والے افراد اور بادشاہ کو دعوت دینے کو کہتا ہے۔ جب وہ دونوں جاتے ھیں تو ان کے فلسفے کو کوئی سمجھتا نہیں اور جو سمجھتا ہے وہ قبول کرنے پر آمادہ نہیں ھوتا۔ اس طرح مایوس ھو کر وہ دوبارہ اسی بے آباد جزیرے میں آ جاتے ھیں ۔

قصہ حیّ بن یقظان کی فنی حیثیت :

یہ وہ زمانہ ہے جب ابھی کہانی اپنی ابتدائی حالت میں تھی اور ابن طفیل ان چند افراد میں سے تھے جنھوں نے کہانی کو اپنے نظریات اور افکار عام کرنے کا ذریعہ بنایا ، اس لئے اس قصے کا شمار ان قصوں میں نہیں ھوتا جو محض تفریح طبع کیلئے لکھے گئے ھوں۔ اس کے ادبی اسلوب کے بارے میں مختلف اقوال ھیں ۔ استاد غرسیہ غومس کہتا ہے کہ ابن طفیل کا قصہ کمان کے دو سِروں سے مشابہ ہے جو آپس میں ملےھوئے ھوتے ھیں لیکن درمیان میں بہت فاصلہ ہے (۲۱)۔ بالکل اسی طرح قصہ حیّ بن یقظان کا آغاز بھی ایک قصے کی طرح ہے اور اختتام بھی قصہ کی طرح لیکن بیچ کا سارا حصہ فلسفیانہ بحثوں اور علم و حکمت کی جستجو سے بھرا ھوا ہے۔ اس میں قصہ کی اصل روح جو کہانی کی صورت میں ھوتی ہے دکھائی نہیں دیتی ۔ درمیانی حصے میں ابن طفیل قصہ نگار نہیں رھتا بلکہ محض فلسفی اور حکیم و دانا بن کے رہ جاتا ہے ، لیکن لیون گوتئے جس نے اس کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا اس کا کہنا ہے کہ ابن

طفیل کی کہانی میں ایک تسلسل پایا جاتا ہے اور کہیں بھی ایسا نہیں ہے کہ کہانی اور فلسفہ کا تعلق ابتدا سے انتہاء تک یکساں نہ رہا ہو بس اتنا کہا جا سکتا ہے کہ فلسفیانہ اور علمی افکار کی کثرت نے کہانی کو کمزور کر دیا ہے۔

ادبی اعتبار سے یہ ایک بے مثال قصہ ہے جس میں خوبصورت کلمات ، منظر نگاری کا کمال پایا جاتا ہے۔ وہ فلسفیانہ افکار بھی ایسے اسلوب سے پیش کرتا ہے کہ جس میں مختلف کرداروں کے ساتھ جذباتی لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے، اسی لگاؤ کی وجہ سے وہ اپنے آپ سے بعض سوال کرتا ہے اور پھر انھیں سوالوں کا جواب منطقی انداز میں دیتا ہے کہ غیر واضح خیال واضح ہو جاتا ہے۔۔

اندلس میں مسلمانوں نے سات صدیوں سے زیادہ حکومت کی اس طویل عرصے میں جہاں بلند و بالا وپرشکوہ عمارتیں تعمیر ہوئیں ، تعلیم وتربیت کی بے مثال درسگاھیں وجود میں آئیں ۔ نابغہ روزگار علماء فقیہ، تاریخ دان، فلسفی ، سائنس دان اور شاعر پیدا ہوئے ۔ وھیں لازوال قسم کی نثری تالیفات بھی وجود میں آئیں لیکن گردش ایام نے ان میں بہت سی کتابوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ۔ ان میں سے بعض کا ذکر ملتا ہے اور بعض ذکر سے بھی محروم ہو گئیں ۔ لیکن اب بھی قرطبہ، اشبیلیہ ، غرناطہ اور طلیطلہ کے کتب خانوں میں ایسی کتابیں موجود ھیں جو کسی قاری کا انتظار کر رہی ھیں ۔

مصادر و مراجع

۱ ـ ڈاکٹر احمد ھیکل ـ الادب الاندلسی من الفتوح الی سقوط الخلافة ، القاهرة ، ۱۹۸٦ ، ٦٥

۲ ـ ابن عزاری ـ البیان المغرب ، بیروت ، ۱۹۵۰ ، ۲/٦٨ ـ

۳ ـ احمد امین ـ ظهر الاسلام ، بیروت ، ۱۹۵۳ ، ۲۰۳/۳ ـ

٣ ـ احمد المقرى ـ نفح الطيب من غصن الاندلس الرطيب ، مصر ، ١٣٠٢ ، ١/٣٣٦ ـ
٥ ـ ابن قوطية ـ تاريخ افتتاح الاندلس ، ريبرا (مدريد) ، ١٩٢٦ ، ـ/٢٨
٦ ـ ابن حيان ـ المقتبس ٣٣ بحواله الادب الاندلسى ـ د . احمد هيكل ، ـ/١٢٣ ـ
٧ ـ ابن عزارى ـ البيان المغرب ، بيروت ، ١٩٥٠ ، ٢/١٦٠ ـ ١٦١
٨ ـ احمد المقرى ـ نفح الطيب ، القاهرة ، ١٣٠٢ هـ ، ١/١٨٠ ـ
٩ ـ ابى الحسن على بن بسام ـ الذخيره فى محاسن اهل الجزيرة ، القاهرة ، ١٩٣٥ ، ـ/٣٦ ـ ٣٧
١٠ ـ احمد المقرى ـ نفح الطيب ، القاهرة ، ١٣٠٣ هـ ، ١/١١٢
١١ ـ احمد المقرى ـ نفح الطيب ، القاهرة ، ١٣٠٣ هـ ، ٢/٧٥
١٢ ـ ابن عزارى ـ البيان المغرب ، بيروت ، ١٩٥٠ ، ٢/١٣٥
١٣ ـ ابن عزارى ـ البيان المغرب ، بيروت ، ١٩٥٠ ، ٢/٢٣٥
١٣ ـ ڈاكٹر احمد ضيف ـ بلاغة العرب فى الاندلس ، مصر ، ١٨٢٣ ، ـ/٣٨
١٥ ـ ڈاكٹر حسين مؤنس ـ تاريخ الفكر الاندلسى (مترجم) ، مصر ، ١٩٥٥ ، ـ/٢٨٥
١٦ ـ ڈاكٹر احمد ضيف ـ بلاغة العرب فى الاندلس ، مصر ، ١٨٢٣ ، ـ/٣٨
١٧ ـ ابى الحسن على ابن بسام ـ الذخيره فى محاسن اهل الجزيرة ، القاهرة ، ١٩٣٥ ، ـ/١٩٧ ـ ١٩٨
١٨ ـ ابى الحسن على ابن بسام ـ الذخيرة فى محاسن اهل الجزيرة ، القاهرة ، ١٩٣٥ ـ/٢٠٨
١٩ ـ زكى مبارك ـ النثر الفنى فى القرن الرابع ، القاهرة ، ١٣٥٢ هـ ، ٢/١٦٦
٢٠ ـ دائرة المعارف الاسلامية ، تهران ، ١٣٥٢ هـ ، ١/٢١٣
٢١ ـ ڈاكٹر محمد رجب البيومى ـ الادب الاندلسى بين التأثر والتاثير ، القاهره ، ـ/١٣٣

★★★

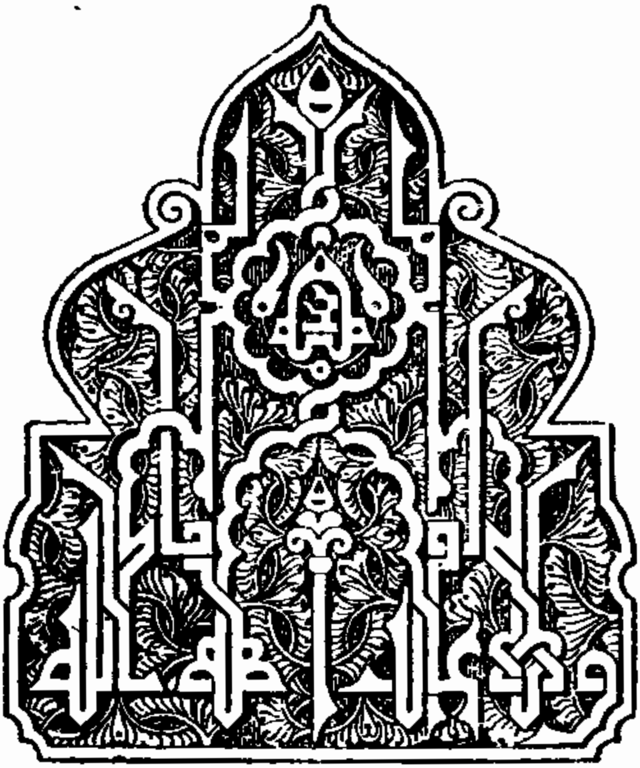

كتابة زخرفية متشابكة بخط كوفي على
هيئة قبـة ، نصها « ولا غالب الا الله »
على ارضية زينت بالوريقات .